# اقبال کی ڈیوائن کامیڈی ''سیر فلک'' کا تنقیدی مطالعہ

[1] ڈاکٹر محمد اکبر

***Abstract:***

Divine comedy is a literary term .It is derived from "Miraj Namma ".The poet of all l languages/literature have described the facts and evolution of "Miraj Nama". Their style and methods of interpretation is familiar.

Divine comedy by Iqbal is a master piece of eastern literature under the guidance of his patron "Rumi". Iqbal envisions the mountain tops .He has propagated his ideas and thought freely like a preacher. Iqbal has discovered different characters of different religions in "Saeer e Falak". Iqbal started his travelogue in "Saeer e Falak" in 1909 and completed in "Javeed Namma" in 1932.All the detail and salient points are discussed in this article.

**Keywords:** **Divine Comedy, Miraj Nama, Dante, Javed Nama, Allama Iqbal, Travelogue, Persian Poetry, Rumi, Nietshe, Tipo Sultan, 1932.**

**کلیدی الفاظ: کلامِ اقبال، جاوید نامہ، ڈیوائن کامیڈی، سیرِ فلک، سیرِ افلاک، معراج نامہ، دانتے**

(سیرِ فلک) یہ ایک ایلی گوریکل نظم ہے جس میں اقبال نے سورۃ التوبہ کی چونتیسویں آیت کی اپنے لفظوں میں تفسیر کی ہے۔ اقبال نے اس بات کو اس طرح کہا ہے کہ دوزخ بجائے خود گرم نہیں بل کہ جب گنہگار اپنی بداعمالیوں کے ساتھ وہاں پہنچتے ہیں تو وہ بداعمالیاں ہی شعلہ اور انگارہ بن کر انھیں جلاتی ہیں۔[۱]

اہلِ دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

علامہ اقبال کا جنت اور دوزخ کے بارے میں نقطۂ نظر اُنیسویں صدی کے جدید متکلم سر سید احمد خان سے ملتا جلتا ہے۔ اگر علم الکلام کے حوالے سے اقبال کے نظریات کا جائزہ لیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دونوں کے نزدیک یہ کیفیات ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اقبال ان کیفیات کے ارتقا کے قائل ہیں جب کہ سر سید احمد خان ان کو مجاز، اِستعارہ اور تمثیل کہتے ہیں۔

اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سر سید احمد خاں کے نظریۂ معاد سے آگاہی حاصل کر لی جائے۔ چناں چہ جنت اور دوزخ کے بارے میں سر سید احمد کہتے ہیں کہ ''انہی آیات (یعنی جو جنت و دوزخ سے متعلق ہیں) کی نسبت دو مختلف دماغوں کے خیالات پر غور کرو ایک تربیت یافتہ دماغ خیال کرتا ہے کہ وعدہ وعید

---

۱ ماہرِ مضمون (اردو)، گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول، مخدوم عالی، لودھراں

اور دوزخ و بہشت، جن الفاظ سے بیان ہوئے ہیں ان سے بعینہٖ وہی اشیا مقصود نہیں بل کہ اس کا بیان کرنا صرف اعلا درجے کی خوشی اور راحت کو فہم انسانی کے لائق تشبیہ میں لانا ہے۔ اس خیال سے اس کے دل میں ایک بے انتہا عمدگی جنت کی اور ایک ترغیب اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے کی پیدا ہوتی ہے اور ایک کوڑھ مغز ملاں یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ در حقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت ان گنت حوریں ملیں گی۔ شرابیں پئیں گے۔ میوے کھائیں گے۔ دودھ اور شہد کی ندیوں میں نہائیں گے اور جو دل چاہے گا وہ مزے اڑائیں گے اور وہ اس لغو اور بے ہودہ خیال سے دن رات اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے میں کوشش کرتا ہے اور جس نتیجہ پر پہلا پہنچا تھا اس پر یہ بھی پہنچ جاتا ہے اور کافۃ الانام کی تربیت کا کام بخوبی تکمیل پاتا ہے۔ پس جس شخص نے ان حقائق قرآن مجید پر جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں غور نہیں کیا اس نے در حقیقت قرآن کو نہیں سمجھا اور وہ اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہا۔''[۲]

مذکورہ بالا اقتباس کا مطلب ہے کہ جنت اور دوزخ کی نعمتیں اور عذاب تصوّراتی ہیں جو انسان کو ترغیب دینے کا کام دیتی ہیں۔ آپؐ نے اس کے ذریعے صحابہ کی تربیت کی اور ایک کامیاب معاشرے کی داغ بیل ڈالی۔ سید صاحب دوزخ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''اُعدَت للکافرین'' یعنی یہ آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ان آیات سے دوزخ کے مخلوق اور بالفعل موجود ہونے پر استدلال کرنا غلط ہے کیوں کہ قرآن مجید نے ان کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ مثلاً یہ کہا ہے اگر تم فلاں کام کرو گے تو یہ صلہ یا یہ سزا تمھارے لیے تیار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صلہ یا سزا تو یقینی ہے نہ کہ یہ، ان کا ذریعہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں ہے کہ اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ حال آں کہ ابھی انسان دوزخ میں کہاں گئے ہیں اور اگر دوزخ کو تیار مان لیا جائے تو اس میں انسان کہاں ڈالے گئے ہیں؟[۳]

مختصر یہ کہ سید صاحب جزا و سزا کو مانتے ہیں مگر جنت و دوزخ کے وجود کو نہیں مانتے۔ وہ اس کو مستقبل میں مانتے ہیں نہ کہ پہلے سے تیار یا ماضی میں۔

مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق جنت اور دوزخ مخلوق ہیں۔ قرآن و احادیث میں جنت و دوزخ کے مناظر تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

جنت اور دوزخ کے متعلق اقبال کا نظریہ حکما و فلاسفہ اور متکلمین سے ملتا جلتا ہے۔ وہ جنت و دوزخ کو متشکل نہیں مانتے بل کہ حسی طور پر کیفیات اور احوال قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ''جنت و دوزخ مقامات یعنی کسی جگہ کے نام نہیں بل کہ وہ کیفیات ہیں جو قرآن مجید نے بیان کی ہیں کہ یہ ایک داخلی حقیقت یعنی انسان کے اندرونی احوال کا نقشہ اس کی آنکھوں میں پھر جائے۔ دوزخ کے بارے میں ارشاد ہے کہ ''اللہ کی جلائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچتی ہے۔'' باالفاظ دیگر وہ انسان کے اندر بہ حیثیت انسان اپنی ناکامی کا درد انگیز احساس ہے۔ جنت کا مطلب ہلاکت کی قوتوں پر غلبے اور کامرانی کی مسرت ہے۔ علامہ اقبال اپنے اس مؤقف کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ جہنم کوئی ہاویہ نہیں جسے کسی منتقم المزاج خدا نے اس لیے تیار کر رکھا ہے کہ گنہگار ہمیشہ اس میں گرفتار عذاب رہیں گے۔ وہ در حقیقت تادیب کا ایک عمل ہے اور جنت بھی لطف و عیش یا آرام و تعطل کی کوئی حالت نہیں۔[۴]

اس کے برعکس قرآن مجید میں ہاویہ کو جہنم کی گھاٹی بتایا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور جن کے اعمال ہلکے ہوں گے ان کا ٹھکانہ ''ہاویہ'' ہے اور تو کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا ہے۔ وہ آگ ہے دہکتی ہوئی۔''[سورۃ القارعہ]

اقبال جہنم کو ہاویہ کی بجائے ''زمہریر'' کہتے ہیں۔ زمہریر کُرّہ پر سرد مقام ہے۔ اقبال اس کی وضاحت ''سیرِ فلک'' میں یوں کرتے ہیں:

یہ مقام خنک جہنم ہے
نار سے نور سے تہی آغوش
خنک ایسا کہ جس سے شرما کر
کرۂ زمہریر ہو روپوش[۵]

اقبال نے فرشتوں سے اس مقام کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: یہ ٹھنڈا مقام دوزخ ہے، نہ اس میں آگ ہے اور نہ روشنی، اس کے مانگے ہوئے شعلے ہوتے ہیں جو گنہگار اپنے ساتھ لاتے ہیں۔

اس سلسلے میں علی عباس جلال پوری لکھتے ہیں کہ ''اقبال بھی اخوان الصّفا اور دوسرے باطنیوں کی طرح جنت و دوزخ کو نفسی کیفیات ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔''[۶]

پروفیسر حمید اللہ ہاشمی ''شرح جاوید نامہ'' کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ ''یہاں در اصل بہشت کا اسلامی تصور پیش کرنا مقصد ہے جس کے مطابق بہشت کوئی معین مقام نہیں بل کہ روحانی ترقی کا مرحلہ ہے۔[۷] اس سلسلے میں مولانا غلام رسول مہرؔ ''سیرِ فلک'' کی شرح میں بیان کرتے ہیں کہ ''اس نظم میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ دوزخ کا عذاب اصل میں انسانوں کے برے عملوں سے پیدا ہوتا ہے، جو شخص جیسے برے عمل کرتا ہے، اسے ویسے ہی عذاب ملتا ہے۔''[۸] اس نظریہ کو اقبال نے بانگ درا حصہ اوّل کی ایک نظم ''خفتگانِ خاک سے استفسار'' میں یوں بیان کیا ہے:

کیا جہنم معصیت سوزی کی اک ترکیب ہے؟
آگ کے شعلوں میں پنہاں مقصد تادیب ہے؟[۹]

اقبال اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ''دوزخ بجائے خود گرم نہیں بل کہ جب گنہگار اپنی بداعمالیوں کے ساتھ وہاں پہنچتے ہیں تو وہ بداعمالیاں ہی شعلہ اور انگارا بن کر انھیں جلاتی ہیں'' جہنم کے بارے میں اقبال کا بیان ہے:

شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے
جن سے لرزاں ہیں مردِ عبرت کوش
اہلِ دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں[۱۰]

جنت کے متعلق اقبال کا بیان ہے کہ:

کیا سناؤں تمھیں ارم کیا ہے؟
خاتمِ آرزوئے دیدہ و گوش
ساقیان جمیل جام بدست
پینے والوں میں شورِ نوشا نوش[۱۱]

علامہ اقبال کے نزدیک موت، برزخ اور جنت و دوزخ کا ماحصل یہ ہے کہ موت ایک راستہ اور خودی کا ایک وسیلہ ہے تاکہ انسان کو یہ معلوم ہو سکے کہ اس کے اعمال وافعال کیا تھے؟ اسے کس حد تک کامیابی

ہوئی؟اعمال کا نتیجہ نہ تو لطف ہے اور نہ درد۔اس کے بر عکس انسان کے اعمال اس کی خودی کو یا تو سہارا دیتے ہیں یا اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔اس طرح انسان ایک متناہی (دنیا) سے لامتناہی (اُخروی) میں داخل ہوتا ہے جس نے اپنی خودی کو مستحکم کیا، اسے ابدیت حاصل ہو گی اور جس نے اپنی خودی کو استوار نہیں کیا اس کا وجود مٹ جائے گا۔اقبال نے ارمغانِ حجاز میں ''عالمِ برزخ'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے۔اس نظم میں برزخی زندگی کے بارے میں فرماتے ہیں:

بے نصیب مار وکژدم نے نصیب دام و دَد
ہے فقط محکوم لوگوں کے لیے مرگِ ابد
بانگ اسرافیلان کو زندہ کر سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد
مر کے جی اُٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوش لحد[۱۲]

ڈاکٹر شفیق احمد بانگ درا کی شرح میں (سیرِ فلک) کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''یہ ایک ایلی گوریکل (تمثیلی) نظم ہے۔''[۱۳]

پروفیسر عبدالعلیم صدیقی نے اپنی کتاب ''سیرِ افلاک'' میں ''جاوید نامہ'' کے بارے میں لکھا ہے کہ ''یہ ایک طویل ایلی گوریکل یعنی تمثیلی نظم ہے۔اس میں اقبال نے اپنے فلسفیانہ وحکیمانہ نکات اور حقائق و معارف کو شاعری میں اس طرح سمویا کہ انھیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔پوری کتاب میں جذبہ و فکر کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔''[۱۴]

جاوید نامہ مغربی شاعر دانتے کی ڈیوائن کامیڈی کی طرح مشرقی ڈیوائن کامیڈی ہے۔جس طرح دانتے نے ورجل کے ساتھ جہنم کی اور بیٹرس کے ساتھ جنت کی سیر کی۔اقبال نے مولانا رومیؒ کے ساتھ افلاک کی سیر کی۔اقبال کی ڈیوائن کامیڈی روایتِ معراج کا تیسرا بڑا شاہکار ہے۔

اقبال کا بیان ہے کہ ''یہ نظم (جاوید نامہ) ایک قسم کی ڈیوائن کامیڈی ہے''[۱۵] اردو میں ایلی گوریکل کے معنی ''تمثیل'' کے ہوتے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ اقبال کا جنت اور دوزخ کے بارے میں اظہار تمثیلی ہے۔

اب ہم اقبال کے اس عنوان ''سیرِ فلک'' کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک فلسفیانہ عنوان ہے، جس میں تخیل کی اُڑان اقبال کو سیرِ فلک کراتی ہے۔ 'تخیل' جسے اسباب و علل سے واسطہ نہیں ہوتا بل کہ ایک بلند پایہ شاعر کا راس المال ہوتا ہے۔

جب ایک شخص قوت متخیلہ کی بدولت عالم خیال میں داخل ہوتا ہے تو وہ ماورائے جسم ایسے ایسے مناظر سے لطف اندوز ہوتا ہے جن کو عقل سوچنے سے، آنکھ دیکھنے سے اور زبان بیان کرنے سے قاصر ہوتی ہے مگر جب یہی کیفیات ایک شاعر پر طاری ہوتی ہیں تو اس کو یہ اعجاز حاصل ہوتا ہے کہ وہ قوت متخیلہ کی بدولت اسے اپنے الفاظ کے قالب میں ڈھال سکے، جسے عرفِ عام میں شاعری کہتے ہیں۔

یہ ایک تخیلاتی عنوان ہے۔اقبال کا تخیل فطرت کے اس شاہکار (انسان) کے غیر محدود امکانات کا جائزہ ہے جہاں وہ زمین و آسمان کی وسعتوں سے نکل کر عالم بالا پر کمند ڈال رہا ہے۔انسان کی سطوت و جبروت کی کوئی حد نہیں۔اس کی سعیٔ پیہم اور جذبۂ محکم سے بعید نہیں کہ وہ اس جرمِ خاکی سے نکل کر فلک کو اپنی جولان گاہ بنالے۔یہی اس عنوان کا اشاریہ ہے۔

یہ عنوان ''سیرِ فلک'' کیا ہے؟ دراصل یہ ایک سنگِ میل ہے جو ایک بھٹکے ہوئے انسان کا پتہ دیتا ہے۔اس بھٹکنے پھرنے میں بھی ایک لذت ہے۔اس میں بھی ایک سرور ہے کیوں کہ تلاش حقیقت بھی ایک نشاط انگیز کیفیت ہے۔اقبال کا تخیّل ''سیرِ فلک'' میں یوں اظہار راہ پاتا ہے:

تھا تخیّل جو ہم سفر میرا
آسماں پر ہوا گزر میرا
اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی
جاننے والا چرخ پر میرا
تارے حیرت سے دیکھتے تھے مجھے

راز سربستہ تھا سفر میرا[۱۶]

یونانی نابینا شاعر ہومر کی اوڈیسی، عربی نابینا شاعر ابوالعلا معری کا رسالہ الغفران اور دانتے کی ڈیوائن کامیڈی کا موضوع بھی یہی ہے۔ دانتے نے ابنِ عربی کی کتاب ''فتوحات مکیہ'' کو سامنے رکھا۔ محی الدین ابنِ عربی نے سیاحت علوی میں دو افراد سے استفادہ کیا، ان میں ایک فلسفی اور دوسرا عالمِ دین تھا۔ اس نے ان کے ذریعے فکری مباحث وانکشافات اور الہامات کو بیان کیا۔

میڈرڈ یونی ورسٹی کے پروفیسر آسن (Asin) نے ''اسلام اینڈ ڈیوائن کامیڈی'' کے موضوع پر ایک معرکہ آرا کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ آٹھویں صدی سے لے کر تیرھویں صدی عیسوی تک علما، حکما، فلاسفہ، محدثین، مفسرین اور شعرا نے ان تمام روایات کو ایک مذہبی تاریخی حکایت کا لباس پہنایا۔[۱۷]

جاوید نامہ میں مغربی ڈیوائن کامیڈی کی طرح شاعر مختلف سیاروں کی سیر کرتا ہے اور مختلف مشاہیر کی روحوں سے ملاقات کرتا ہے۔ جاوید نامہ میں اقبال کے مرشد رومیؔ، جب کہ دانتے کی ڈیوائن کامیڈی میں ورجل اور بیٹرس کے علاوہ ایک حسینہ میٹی لیڈا اور برنارڈ نے یہ فریضہ بھی سرانجام دیا۔

اٹلی کے شاعر دانتے[۱۸] نے اپنی ڈیوائن کامیڈی ۱۳۰۷ء میں لکھنا شروع کی اور ۱۳۲۱ء میں مکمل کی۔ کامیڈی دو الفاظ کا مرکب ہے۔ کومس بہ معنی گاؤں اور اوڈا بہ معنی گیت یعنی گاؤں کا گیت۔ ڈیوائن کے معنی خدائی کے ہیں یعنی طربیۂ خداوندی یا داستان سماوی۔ اس نظم میں کامیڈی بھی ہے اور ٹریجڈی بھی۔ ٹریجڈی بھی کامیڈی کی طرح دو الفاظ کا مرکب ہے۔ ٹریکس بہ معنی بکری اور اوڈا بہ معنی گیت یعنی مصیبت اور غم واندوہ کا گیت۔

''ڈیوائن کامیڈی'' کا یہ نام خود دانتے کا دیا ہوا نہیں ہے۔ اس نے اس ڈرامے کا نام ''کامیڈیا'' تجویز کیا تھا جب کہ موجودہ نام ''ڈیوائن کامیڈی'' اس کے مداحوں کا دیا ہوا ہے۔ ''کامیڈیا'' کا اس عنوان سے پہلا ایڈیشن ۱۵۵۵ء میں شائع ہوا تھا۔[۱۹]

اس نظم میں جہنم کا حصہ ٹریجڈی ہے۔ یہ طویل تمثیلی نظم تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ۳۳ قطعات پر مشتمل ہے جس کا عنوان جہنم ہے۔ یہ حصہ ۲۰ اپریل ۱۳۱۴ء کو مکمل ہوا۔

دوسرا حصہ اعراف کے نام سے ہے۔ یہ حصہ ۳۳ قطعات پر مشتمل ہے اور ۱۳۱۹ء میں مکمل ہوا۔

تیسرا حصہ جنت ہے۔ یہ حصہ بھی ۳۳ قطعات پر مشتمل ہے اور ۱۳۲۱ء میں مکمل ہوا۔

دانتے نے یہ نظم فلورنس سے جلاوطنی کے دور میں لکھی تھی۔ اس نے ۲۱ سال جلاوطنی میں کاٹے۔ اس میں بھی ۳۳ کی یہ تکرار دراصل دانتے کی حضرت عیسیٰؑ سے تعلق اور محبت کو ظاہر کرتی ہے کیوں کہ حضرت عیسیٰؑ کی عمر بھی ۳۳ سال تھی۔ اس کا اظہار نظم کے آخری حصے میں ہوتا ہے جب دانتے برنارڈ سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہاں ان کی ملاقات حضرت مریمؑ سے کرادیں کیوں کہ برنارڈ نے حضرت مریمؑ کو دیکھا ہوا تھا۔ جب برنارڈ نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی تو انھوں نے ایک اور مطالبہ کیا کہ وہ تثلیث اور خدا کے ساتھ انسان کے اتحاد کی ایک شکل دیکھنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ ان کی یہ خواہش بھی پوری ہوئی۔ دانتے نے خدا کو انسانی شکل میں دیکھ لیا۔ وہ شکل اس کی محبوبہ ''بیٹرس'' کی تھی۔ اقبال نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے کہ وہ آں سوئے فلک خدا سے ہم کلام ہوئے۔[۲۰]

اس نظم کے مصرعوں کی کل تعداد ۱۴۲۳۳ ہے۔ ڈیوائن کامیڈی تین مصرعوں کی بحر میں لکھی گئی ہے۔ ڈیوائن کامیڈی میں دانتے نے مذہبی فلسفے کو اس طرح نظم کیا ہے کہ وہ شاعری بن گیا۔ دانتے نے حصہ جنت میں روحانی مسرت اور وجدان کی وہ کیفیات بیان کی ہیں جو اعلیٰ ترین شاعری کا سرمایہ ہیں۔ اس کے برعکس جہنم میں انسانی زندگی کی سیاہ ترین بدکاریوں کا عکس پیش کیا گیا ہے۔ اعراف کا تصور البتہ عیسائیت کے لیے نیا تھا۔ یہ تصور دانتے کی تحریر کے قریباً سو سال بعد سرکاری طور پر کیتھولک عیسائیت نے قبول کیا۔ اس نظم کا خاص نکتہ یہ ہے کہ جنت اور جہنم مقامات ہی نہیں بل کہ انسانی حالتیں بھی ہیں۔

اس نظم کا تخلیقی محرک دانتے کی محبوبہ بیٹرس ہے جو اس کی ہم عمر تھی۔ جب دانتے کی بیٹرس سے پہلی ملاقات ہوئی اس وقت دونوں کی عمریں ۹ سال کی تھی۔ وہ پہلی ملاقات کے بعد بیٹرس سے ۹ سال تک نہ مل سکا۔ اس کے چھ سال بعد بیٹرس کی شادی سائمن سے ہو گئی۔ شادی کے ایک سال بعد ۱۲۹۰ء میں بیٹرس ۲۵ سال کی عمر میں فوت ہو گئی۔ دانتے کو اس کا بڑا ملال ہوا۔ دانتے نے اپنی محبوبہ کو صرف دو بار دیکھا تھا اور ایک بار اس سے ہم کلام بھی ہوا تھا۔ جدائی کے اس اثر نے یہ رنگ دکھایا کہ دانتے نے ایک کتاب ''حیات نو'' لکھی، جو ۱۲۹۳ء میں مکمل ہوئی۔ اس طرح یہ جدائی ابدی ہو گئی۔ بیٹرس کی محبت دانتے کی حیاتِ تخلیقی کا سرچشمہ ہے۔ بیٹرس کی وفات کے دو سال کے بعد دانتے نے گیما (Gemma) نامی عورت سے شادی کر لی۔ اس شادی پر

جنت میں بیٹرس نے دانتے پر یہ الزام لگایا کہ ''تم نے میری محبت کو ناپاک کر دیا''۔ جس پر دانتے نے بیٹرس کے پاؤں پر سر رکھ کر معافی مانگی۔[۲۱]

دانتے نے اپنی تمثیل میں رومانوی پہلو کو اجاگر کرنے کے لیے ایک اور کردار میٹی لڈا کو پیش کیا ہے جو ایک حسینہ ہے اور جنت میں گل چیں میں مصروف ہے۔ اس حسینہ نے دانتے کو پاک کرنے کے لیے ایک نہر میں غسل کرنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح دانتے نے پاک ہو کر ''تجسیم'' کا راز پایا۔ عیسائیت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا انسانی شکل میں آجانا۔ اور خدا ''بیٹرس'' کے کالبدِ خاکی میں جلوہ گر ہوا۔[۲۲]

اسی طرح ہندوؤں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ خدا کے دس اوتار ہیں یعنی خدا دس مرتبہ زمیں پر انسانی روپ میں آیا۔ ان دس روپ کے نام یہ ہیں:۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۔ وشنو | ۲۔ رام | ۳۔ کرشن | ۴۔ پرسورام | ۵۔ نرسنگھ |
| ۶۔ مچھ | ۷۔ وامن | ۸۔ کلکی | ۹۔ شیواجے شنکر | ۱۰۔ متیسہ |

سیاحت علوی یا ''سیر افلاک'' کے موضوع پر زرتشی عارف ارداویران کا سفر نامہ ''ارداویران نامہ'' کو قدیم ترین تسلیم کیا جاتا ہے۔ عربی میں ابنِ شہید اندلسی (م ۱۰۳۲ء) اور ابوالعلا المعریٰ (م ۱۰۵۵ء) کی کتابیں ''رسالہ التوابع والروابع'' اور ''رسالۃ الغفران'' اسی موضوع پر ہیں۔ فارسی میں حکیم سنائی کی مثنوی (۵۳۵ھ) ''سیر العباد الی المعاد'' کا موضوع بھی یہی ہے۔

دوسری دنیا کے حالات بیان کرنا ازمنہ وسطیٰ کے لٹریچر میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ دانتے سے پہلے ٹنڈل البریک اور منک آف اینشام وغیرہ جہنم، اعراف اور بہشت کے فرضی اور خیالی سیر کے حالات لکھ چکے تھے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ دانتے کی کامیڈی طبع زاد نہیں ہے بل کہ اس نے البریک کے خواب سے استفادہ کیا ہے۔[۲۳] البریک نے خواب میں دیکھا کہ سینٹ پیٹر نے اسے جہنم اور اعراف کی سیر کرائی۔ سینٹ پیٹر اسے جہنم میں گناہ گاروں کے بارے میں بتاتے جاتے ہیں۔ وہ اس کے بعد ساتواں آسمان عبور کر کے بہشت میں پہنچے جہاں نیک بندے فراغت سے رہ رہے تھے۔ اس کے علاوہ یہ خیال بھی عام ہے کہ دانتے نے ورجل کی مشہور کتاب (AENEID) کی چھٹی جلد سے بہت استفادہ کیا ہے۔[۲۴] اس بات کا اعتراف خود دانتے نے بھی کیا ہے اور اس نے ورجل کو اپنا معنوی استاد تسلیم کیا ہے اور سیرِ سماوی میں ان کی پیروی میں سفر کیا۔

جب ہم اقبال کے عنوان ''سیرِ فلک'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان دونوں میں بہت مماثلت نظر آتی ہے۔

اقبال نے سیاحت علوی کی ابتدا فلکِ قمر سے کی ہے۔ اس کے بعد اقبال نے عطارد، زُہرہ، مریخ، مشتری اور بعد ازاں زُحل کی بھی سیر کی۔ علمِ نجوم میں ہفت پرکار (سات افلاک اور سات بروج) کا احوال یہ ہے:

| سیارہ | مقام | یوم |
|---|---|---|
| قمر: | فلک اول | دوشنبہ (سوموار) |
| مریخ: | فلک پنجم | سہ شنبہ (منگل) |
| عطارد: | فلک دوم | چہار شنبہ (بدھ) |
| مشتری: | فلک ششم | پنجشنبہ (جمعرات) |
| زُہرہ: | فلک سوم | آدینہ (جمعہ) |
| زُحل: | فلک ہفتم | شنبہ (ہفتہ) |
| شمس: | فلک چہارم | یک شنبہ (اتوار) |

فلکِ قمر پر مولانا رومیؒ، اقبال کو ''جہان دوست'' سے ملواتے ہیں۔ جہان دوست کون ہے؟ شارح اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اسے ''وشوامتر''[۲۵] لکھا ہے۔ جو دراصل ایک کھشتری راجہ تھا۔ اس کا دارالحکومت قنوج تھا۔ اقبال نے جس جہان دوست کا تعارف بتایا وہ یہ ہے:

موئے برسر بستہ و عریاں بدن
گرد او مارے سفیدے حلقہ زن[۲۶]

وہ تعارف شنکر جی کا ہے۔ فلکِ قمر یعنی چاند اور شنکر میں ایک مناسبت پائی جاتی ہے۔ ہندی روایت میں چاند اور شنکر دیوتا[۲۷] کا خاص تعلق ہے۔ دوشنبہ یعنی پیر کے دن کو سوموار بھی کہتے ہیں۔ ہندی روایات میں سوموار کو چاند کا دن جب کہ شنکر جی کو سومناتھ یعنی ''چاند کا آقا'' کہا جاتا ہے۔ شنکر جی کی تصویر میں ان کی پیشانی

پر چاند بنا ہوا ہے۔ چاند کی اٹھائیس منازل ہوتی ہیں۔ البیرونیؔ نے ان منازل کے متعلق ایک ہندی روایت نقل کی ہے:

> ''پر جاپتی[۲۸] کی یہ اٹھائیس لڑکیاں تھیں، جن سے چاند نے شادی کر لی تھی۔ چاند کو چوتھی لڑکی پروہنی (چاند کی چوتھی منزل) بہت پسند تھی۔ اس لیے وہ تمام پر پروہنی کو ترجیح دینے لگا۔ پر جاپتی نے چاند کو بہت سمجھایا کہ وہ ساری بیویوں کو ایک جیسا چاہے، لیکن چاند پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بالآخر پر جاپتی نے چاند کو بد دعا دے دی جس کے اثر سے چاند کے چہرے پر کوڑھ کے داغ پڑ گئے۔ بد دعا کا اثر زائل کرنے کے لیے پر جاپتی نے (چاند کو) شنکر کے لنگ (عضو) کی پوجا کرنے کا مشورہ دیا۔''[۲۹]

اقبال چاند اور رشی کے تعلق سے آگاہ تھے۔ رشی جو چاند کے ایک غار میں خلوت گزیں تھا۔ جسے اہلِ ہند جہان دوست کہتے ہیں اور اقبال عارفِ ہندی کے نام سے پکارتے ہیں۔ مولانا رومیؔ اقبال کو جہان دوست کے علاوہ گوتم بدھ اور رقاصہ امر پالی سے بھی ملواتے ہیں۔ یاد رہے کہ رقاصہ امر پالی نے گوتم بدھ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ یہاں امر پالی اقبال سے کہتی ہے:

تا بفراغِ خاطرے نغمۂ تازہ زنم
باز بہ مرغزار دہ طائرِ مرغزار را
طبع بلند دادہ بند ز پائے من کشائے
تا بہ پلاستو دہم خلعتِ شہریار را [۳۰]

(جب تک کہ میں دل جمعی کے لیے کوئی نیا نغمہ چھیڑوں تو تو سبزہ زار کے پرندوں کو سبزہ زار کی طرف بھیج دے۔ تو نے اگر مجھے بلند طبع سے نوازا ہے تو میرے پاؤں کی زنجیر کھول دے، تاکہ میں تیرے عطا کیے ہوئے بوریائی لباس کے عوض بادشاہ کی خلعت کو قربان کر سکوں۔)

امر پالی ایک رقاصہ ہے اور رقص کے دیوتا 'نٹراج' (شنکر) کو اس فن میں پوجا جاتا ہے۔ اس طرح چاند، امر پالی اور شنکر کا تعلق فلکِ قمر سے بنتا ہے۔ اسی طرح چاند کا گھٹنا بڑھنا بھی رقص ہی کی علامت ہے۔ اس کے علاوہ یہ چاند کے منفی اور مثبت اثرات کی علامات بھی ہیں جو شنکر اور گوتم بدھ ہیں۔ شنکر اپنی جٹاؤں (لمبی زلفوں) کے لیے مشہور ہیں جب کہ گوتم بدھ اپنے منڈے ہوئے سر کی وجہ سے کیوں کہ گوتم بدھ جب

حقیقت کی تلاش میں تارک الدنیا ہو گئے تو انھوں نے اپنے غلام چھندک سے اپنا سر منڈوالیا تھا۔ سیارہ قمر پر ''وادی یر غمید'' میں مہاتما گوتم بدھ[۳۱]، زرتشت[۳۲]، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کا ذکر بھی ایک خاص تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ جس میں اقبال پیغمبرؐ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ مولانا رومیؒ (۶۰۴ھ۔ ۶۷۴ھ۔ ۱۲۰۷ء۔ ۱۲۷۵ء) فرماتے ہیں کہ قومیں اور ملتیں پیغمبری کی نشانیاں ہیں۔ ہم تمام انسان حاصل ہیں اور پیغمبرؐ کھیت ہیں:

گفت اقوام و ملل آیات اوست
عصر ہائے ما ز مخلوقات اوست[۳۳]

اقبال فلکِ قمر پر جن شخصیات سے ملے ان میں سب سے پہلے مہاتما گوتم بدھ ہیں جو حضرت عیسیٰؑ سے سات سو سال پہلے گزرے ہیں۔ اس کے بعد ایک رقاصہ ہے جو اپنی عشوہ طرازیوں سے تائب ہو کر حلقۂ بدھ مت میں شامل ہو گئی تھی۔ حال آں کہ دونوں کی شخصیات متضاد ہیں۔ جن میں گوتم بدھ تارک الدنیا اور رہبانیت کی تعلیم دیتے ہیں جب کہ رقاصہ مجلسی کردار ہے جو دنیا کو عشوہ طرازیوں اور دل فریبیوں سے اپنا اسیر بناتی ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

> ''چوں کہ بدھ دھرم رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے اقبال نے اس کے مقابلہ میں ''زن رقاصہ'' کو پیش کیا ہے، جو مسلکِ رہبانیت کی ضد ہے یعنی دنیاوی عیش اور جسمانی لذت کی نمائندہ۔''[۳۴]

گوتم بدھ کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا سراسر دکھ اور مصیبت ہے اس لیے زندگی بھی دکھ اور عذاب ہے، سراپا رنج والم ہے۔ اس دکھ یا عذاب سے نجات حاصل کرنا انسان کا پہلا اور آخری فرض ہے۔ چوں کہ دکھ کا اصلی سبب آرزو ہے۔ اس لیے آرزو کو ختم کر دو۔[۳۵] اس دکھ اور مصیبت سے نجات پانے کی ایک ہی معقول صورت ہے اور وہ یہ کہ ہستی ہی کو ختم کر دیا جائے یعنی تارک الدنیا ہو کر رہبانیت اختیار کی جائے۔

دوسرے طواسین میں اقبال کی ملاقات زرتشی پیغمبر زرتُشت سے ہوتی ہے۔

زرتُشت کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ بے شک عالم میں خیر کے ساتھ شر بھی ہے مگر شر کا خالق خدا نہیں بل کہ اہر من ہے۔یعنی زرتشت نے یزداں کو شر کے اعتراض سے بچانے کے لیے ثنویت کی تعلیم دی اور دو خدا(یزداں خالق خیر اور اہر من خالق شر) بنا لیے۔[۳۶]

اس کے مطابق عناصرِ اربعہ (آگ، مٹی، ہوا، پانی) میں آگ کو فضیلت حاصل ہے۔اس لیے آگ کی پوجا کو عبادت کا درجہ دیا۔اقبال نے یہاں خیر کو شر پر غلبہ پانے کی اہر من اور زرتشت کی کوششوں کا تذکرہ کیا ہے۔اقبال کے نزدیک زرتُشت میں کشش یہ تھی کہ اس کا عمل خلوت کی بجائے جلوت تھا:

چیست آں بگذشتن از دیر و کنشت
چیست ایں ؟تنہا نہ رفتن در بہشت
گرچہ اندر خلوت و جلوت خدا است
خلوت آغاز است و جلوت انتہا است[۳۷]

(خلوت کیا ہے ؟مندر و آتش کدہ سے دور ہو جانا، جلوت کیا ہے ؟بہشت میں اکیلے نہ جانے کی حالت۔اگرچہ خلوت اور جلوت دونوں کے اندر خدا ہی ملتا ہے تاہم خلوت میں آغاز اور جلوت اس کی انتہا ہے۔)

اقبال نے وادیٔ یرغمید یا طواسینِ مسیح میں حکیم ٹالسٹائی(۱۸۲۸ء۔۱۹۱۰ء) کی روح سے ملاقات کی جو انیسویں صدی کے عظیم اشتراکی تھے۔وہ حضرت عیسیٰ مسیح کی سیرت کا سچا پیروکار تھا۔وہ حضرت عیسیٰؑ کی صلیب گلے میں لٹکانے کی بجائے کندھے پر اُٹھائے پھرتا رہا۔ان کی ایک مشہور کتاب ''مذہب کیا ہے ؟'' ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی۔اس میں اور دوسروں میں اسی امتیاز نے انھیں ''جاوید نامہ'' میں عزت کا مقام دیا۔حکیم ٹالسٹائی نے اپنی کتاب ''اعترافات'' میں یورپین اقوام، یورپین تہذیب اور کلیسائی نظام پر جو اعتراضات کیے ہیں اقبال نے وہی نظریات اپنے مدِّ نظر رکھے ہیں۔[۳۸]

وادیٔ طواسین محمدؐ میں اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل کو دکھایا گیا ہے۔یہاں پر ابو جہل اسلامی انقلاب کی بنیادی وجوہ کو حرفِ تنقید بناتا ہے۔

مذہب او قاطع ملک و نسب

از قریش و منکر از فضل عرب
در نگاہ او یکے بالا و پست
با غلام خویش بر یک خواں نشست[۳۹]

(وہ کہتا ہے کہ آپؐ کا مذہب ملک اور خاندان کی جڑیں کاٹ دیتا ہے۔آپ کا تعلق قریش خاندان سے ہے اور آپ عرب کی فضیلت کے منکر ہیں۔آپ کی نگاہ میں اعلا و ادنا سب برابر ہیں۔آپ اپنے غلام کے ساتھ دستر خوان پر ساتھ بیٹھتے ہیں۔)

قمر کے بعد اقبال سیارہ عطارد پر کمند ڈالتے ہیں یہ سیارہ دبیرِ فلک مانا جاتا ہے جو علم و حکمت اور دانش کی علامت ہے۔اس کی ظاہری صورت ''پیرِ مرد، دراز ریش، ہاتھ میں قلم، زانوں پر کاغذ'' کی ہے۔عطارد ہر برج کو پندرہ دنوں میں اور کرۂ آسمانی کو اٹھائیس دنوں میں طے کرتا ہے۔اقبال نے عطارد کو مقام اولیا کہا ہے۔سیارہ عطارد پر اقبال نے سید جمال الدین افغانی(۱۸۳۸ء۔۱۸۹۷ء)[۴۰] اور سعید حلیم پاشا(۱۸۶۵ء۱۹۲۱ء)[۴۱] کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تو کہا:

پاک مرداں چوں فضیل و بوسعید
خیز تا ما را نماز آید بدست
عارفاں مثلِ جنید و بایزید
یک دو دم سوز و گداز آید بدست[۴۲]

(وہ پاک مرد فضیل بوسعید جیسے ہیں اور جنید اور بایزید جیسے عارف ہیں۔تو اقبال جلدی سے اُٹھ تاکہ ہمیں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہو۔یوں کچھ دیر کے لیے ہم بھی درد و سوز کی نعمت سے بہرہ ور ہو سکیں۔)

یہ سیارہ علم و عرفان اور آگہی کا حامل ہے اور سید جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کا تعلق بھی علم و حکمت سے تھا۔سید جما الدین افغانی نے اپنی تقریر و تحریر سے دنیا کے مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا کی اور مسلم و غیر مسلم کو یہ باور کرایا کہ قرآن کریم کے علاوہ کوئی قانون انسان کی مادی اور روحانی اصلاح نہیں کر سکتا۔

سید صاحب شروع سے ہی اشتراکیت و ملوکیت (سرمادار ی) کے خلاف تھے۔ انھیں ملوکیت کی مخالفت کی وجہ سے ۱۸۶۹ء میں جلاوطن کر دیا گیا۔ اقبال نے سید جمال الدین افغانی کی زبانی علم کی اہمیت پر روشنی ڈالی:

علم حرف و صوت را شہپر دہد
پاکیٔ گوہر بہ ناگوہر دہد
علم را بر اوج افلاک است رہ
تا ز چشم مہر بر کند دنگہ
چشم او بر واردات کائنات
تا بہ بیند محکمات کائنات[۴۳]

(علم حرف اور آواز کو بڑی پرواز کرنے والے پر عطا کرتا ہے اور اپنی چمک سے محروم ہو جانے والے موتیوں کو چمک کی پاکی عطا کرتا ہے۔ علم کا راستہ آسمانوں کی بلندی پر ہے اور اس میں وہ قوت ہے کہ وہ سورج کی آنکھ سے نگاہ چھین لیتا ہے۔ اس کی آنکھ کائنات کی واردات پر ہوتی ہے تاکہ وہ کائنات کی محکمات (بنیادی اُصول) دیکھ سکے۔)

اقبال نے سعید حلیم پاشا کے بقول ایک کامل انسان کے جو اوصاف بیان کیے ہیں وہ عطار دہی کے تابع ہو سکتے ہیں کیوں کہ عطارد کے قیام کے تابع افراد بالعموم ایثار پسند، ہمدردِ قوم، مفادِ ملت کے پرستار اور وسیع الذہن و فکر و نظر ہوتے ہیں۔ یہ صفات سید جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کی ذات پر صادق آتی ہیں۔

اقبال نے اشتراکیت پر بڑی منصفانہ تنقید کی ہے۔ انھوں نے اس کو سراسر باطل قرار نہیں دیا بل کہ انھوں نے کارل مارکس (۱۸۱۸ء۔ ۱۸۸۳ء) کو ''نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب'' کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اشتراکیت کلی مردود نہیں بل کہ اس کا ایک پہلو جو بورژوا طبقہ سے ہم دردی اور انصاف یعنی مساواتِ انسانی کی تعلیم ہے۔ اقبال کے لیے کشش کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کا منفی پہلو مادیت پرستی اور خدا کا انکار ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیل
یعنی آں پیغمبر بے جبریل
زانکہ حق و باطل او مضمر است

قلب او مومن و دماغش کافر است[۴۴]

(حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ایک یہودی کارل مارکس ''سرمایہ'' کا مصنف ہے۔ وہ گویا ایک پیغمبر ہے جسے جبرائیلؑ کی تائید نہیں۔ چوں کہ حق اس کے باطل میں چھپا ہے۔ اس لیے اس کا دل تو مومن ہے لیکن اس کا دماغ کافر ہے۔)

عطارد کے بعد اقبال کی منزل سیارہ زُہرہ ہے۔ اسے ناہید بھی کہتے ہیں۔ اس کی صورت ایک عورت ہاتھ میں باجہ لیے ہوئے ہے۔ اس سیارے کا رنگ سفید اور خاصیت سعد اور ذائقہ ترش ہے۔ رفتار میں بحالتِ استقامت اس کے اثرات مثبت اور بحالت رجعت منفی اور مضر ہوتے ہیں۔ یہ تیسرے فلک کا مالک اور جمعہ کے دن کا حاکم ہوتا ہے۔ یہ سیارہ تمام فلک کو ایک دن کے چوتھے حصے میں طے کرتا ہے۔ اس کے مضر اثرات سے محبت نفرت میں بدل کر ہلاکت و بربادی کا سبب بن سکتی ہے۔ اس سیارے کا تعلق افریقہ سے منسوب ہے۔ اقبال نے اسی نکتے کو ملحوظ رکھا ہے۔ چناں چہ اقبال نے اس سیارے پر فرعون اور لارڈ کچنر (۱۸۵۰ء۔ ۱۹۱۶ء) کو دکھایا ہے۔[۴۵] (یاد رہے کہ اسلامی روایات میں اس سیارہ کو منحوس سمجھا جاتا ہے اور اس نے ایک خوبصورت عورت کی شکل میں دو فرشتوں ''ہاروت و ماروت'' کو بہکایا اور بھٹکایا) ان دونوں شخصیات کا تعلق افریقہ کے ممالک مصر و سوڈان سے تھا۔ دونوں ہی پانی میں غرق ہوئے۔ گویا زہرہ کی رفتار رجعی نے انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

فلک زہرہ سے اقبال اُوپر کی جانب بڑھتے ہیں اور مریخ پر پہنچ جاتے ہیں۔ علمِ نجوم کی رو سے یہ سیارہ سخت گرم ہے۔ اس کا مزاج آتشی اور رنگ سرخ ہے۔ یہ سیارہ عام طور پر انقلابی مشہور ہے۔ یہ انسانی زندگی میں عزم و حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ البتہ اس کے منفی اثرات بدامنی اور انتشار کے حامل ہوتے ہیں۔ اس سیارے کے حامل لوگ بڑے محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔ اقبال نے انھی خصوصیات کے پیشِ نظر یہاں حکیم مریخ سے ملاقات کی اور ان سے تقدیر اور حرکت کے موضوع پر بڑے اہم نکات اخذ کیے ہیں۔

اقبال نے حکیم مریخ کی زبان سے زمینداری، جاگیرداری اور سرمایہ داری کا ابطال کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کے دو بڑے سبب ہیں۔ ایک تقدیر کا پابند اور دوسرا ملوکیت (سرمایہ داری) کا اسیر۔

اقبال نے یہاں ایک تجدد پسند عورت سے بھی ملاقات کی ہے۔ یہ عورت آزادی نسواں کی خواہاں تھی۔ یہ عورت مغربی عورتوں کو تجرد کی تعلیم دیتی تھی۔ وہ اعلان کرتی ہے کہ تمھارا ربطِ دو تن سے چھٹکارا پانا ہی توحید ہے۔ جس طرح خدا واحد ہے اسی طرح تم بھی توحید اختیار کر لو۔ مریخ کی نبیہ کہتی ہے:

مرد صیادی بہ نخچیری کند
گرد تو گردد کہ نخچیری کند
گرچہ آں کافر حرم سازد ترا
مبتلائے درد و غم سازد ترا [۴۶]

(مرد تو ہمارا شکار بن کر الٹا ہمارا شکار کرتا ہے۔ وہ تو تیرے گرد، اس لیے پھرتا ہے کہ تجھے فریب دے کر اپنا غلام بن لے۔ اگرچہ وہ کافر (مرد) تجھے اپنی حرم (بیوی) بناتا ہے لیکن درحقیقت وہ تجھے درد و غم میں مبتلا کرتا ہے۔)

اس میں اقبال نے مغربی عورتوں کی بے راہ روی اور ضبطِ تولید پر تنقید کی ہے۔

حکیم مریخ اقبال کو بتاتے ہیں کہ یہ عورت فرنگستان کی ہے اور نبوت کی دعویدار ہے۔ اس سیارے پر ایک فرنگی عورت کو دکھانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ یہ سیارہ علمِ نجوم کی رو سے ملک انگلستان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس عورت کی نشانی یہ بیان کی ہے:

چہرہ اش روشن ولے بے نور و جاں
معنیٔ او بر بیان او گراں
فارغ از جوشِ جوانی سینہ اش
کورو صورت ناپذیر آئینہ اش
پختہ درکار نبوت ساختن
اندر ایں عالم فرو انداختن
گفتِ نازل گشتہ ام از آسماں
دعوتِ من دعوتِ آخر زماں [۴۷]
وحی یزداں پے بہ پے آید مرا

لذتِ ایماں بیفزائد مرا[۴۸]

(اس کا چہرہ تو روشن تھا لیکن روحانی نور سے خالی تھا۔ اس کے بیان پر اس کے معنی گراں (بوجھل) تھے یعنی بے معنی تھے۔ اس کا سینہ جوانی کے جوش سے خالی تھا اور اس کی صورت آئینہ کے لیے ناقابل قبول تھی یعنی بدصورت تھی۔ اس (شیطان) نے نبوت کے معاملے میں پختہ کر کے اسے یہاں (مریخ پر) چھوڑ دیا۔ وہ دوشیزہ کہنے لگی !''میں آسمان سے نازل ہوئی ہوں اور میری دعوت آخری زماں ہے۔'' مجھ پر خدا کی طرف سے لگاتار وحی نازل ہو رہی ہے اور یہ میرے ایمان کی لذت میں اضافہ کرتی ہے۔)

مریخ کے بعد اقبال سیارہ مشتری پر پہنچتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام برجیس بھی ہے۔ اس کی صورت، پیرِ مرد کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے ہے۔ یہ سیارہ زرد مائل سبز رنگ کا ہے۔ اس کی طبیعت معتدل اور مزاج آتشی ہے۔ یہ سیارہ جمعرات کے دن کا حاکم ہے۔ یہ بڑا نرم سیارہ ہے۔ اس کے زیرِ اثر لوگ بڑے مفید اور سود مند ہوتے ہیں۔ فلسفہ، آرٹ اور قانون سے اس کی مناسبت ہے۔ اقبال نے اسی مناسبت سے اس سیارے پر منصور حلاج[۴۹](م ۹۲۲ء)، ایرانی شاعرہ قرۃالعین طاہرہ[۵۰](م ۱۸۵۲ء) اور مرزا غالب (م ۱۸۶۹ء) کو دکھایا ہے۔ اقبال نے ان کی روحوں کو ''ارواحِ جلیلہ'' کہا ہے کیوں کہ سچے اور پکے عاشق و صادق تھے۔ اقبال کے نزدیک عشق کا مقام یہ ہے کہ جو شخص عاشق نہیں وہ مسلمان بھی نہیں اور جو مسلمان نہیں وہ انسان بھی نہیں۔ عشق انسان کو ہر وقت عروج عطا کرتا ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلاج اور طاہرہ کے عاشق ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں مگر مرزا غالب کو ''ارواحِ جلیلہ'' میں کیوں شامل کیا ہے ؟ دراصل اقبال مرزا غالب کے عقیدت مند تھے۔ اس کے علاوہ مرزا غالب جویائے حقیقت تھے۔[۵۱]

غالب و حلاج و خاتونِ عجم
شور با افگندہ در جانِ حرم
ایں نوا ہا روحِ را بخشند ثبات
گرمی او از درونِ کائنات![۵۲]

(غالب، حلاج اور ایرانی خاتون جنھوں نے حرم کی جان میں شور برپا کر رکھا ہے۔ انھیں دیکھ
کر ان کی نوائیں سن یعنی ان کا کلام سن۔ اُن کا کلام روح کو ثبات بخشتا ہے۔ اس لیے ان کی
گرمی کائنات کے اندر ہے یعنی ان کی گرمی سرچشمۂ ضمیرِ کائنات ہے۔)

ایک خاص بات یہ ہے کہ اقبال نے اس سیارے پر مولانا رومیؔ کے ساتھ ابلیس سے بھی ملاقات کی ہے۔ اس کے بقول ایک خاص حرکی نکتہ بیان کیا ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس مقصودِ کائنات (انسان) کی پست ہمتی اور ذوقِ مقاومت کا شکوہ کیا ہے کہ انسان کی اس کمزوری نے میری بلند ہمتی کو پست کر کے رکھ دیا ہے اور مجھے نکما بنا دیا ہے۔ اقبال نے ابلیس کی سیرت پر مختلف انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے جن کی بدولت اقبال ابلیس سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں کہ ابلیس نے فرشتوں کی تقلید نہیں کی بل کہ اپنی عقل سے کام لیا۔ چناں چہ اقبال لکھتے ہیں:

چاک کن پیراہن تقلید را
تا بیاموزی از او توحید را[۵۳]

غرض یہ چاروں روحیں انسان کے لیے پیغامِ عمل کا ایک تازہ درس ہے۔ اقبال ابلیس کو ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں:

''نمودار شدن خواجۂ اہلِ فراق ابلیس''

اے خداوندِ صواب و ناصواب
ہیچ کہ ز حکمِ من سر بر نتافت
من شدم از صحبتِ آدم خراب!
چشم از خود بست و خود را در نیافت![۵۴]

(اے نیکی اور بدی کے خدا! مجھے آدم کی صحبت نے خراب کر دیا ہے۔ وہ کبھی میری حکم عدولی
نہیں کرتا۔ اس نے اپنے آپ سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور خود کو نہیں پا سکا۔)

مشتری کے بعد اقبال زندہ رود (رومیؔ) کے ساتھ زحل کی سمت بڑھتا ہے۔ ماہرینِ نجوم کے مطابق سیارہ زُحل بڑا منحوس سیارہ ہے۔ اس کا مزاج خاکی اور منقلب ہے۔ اس کا رنگ سیاہ اور ذائقہ کسیلا ہے۔ زُحل بڑا

مشکل پسند سیارہ ہے۔اس کے زیرِاثر لوگ بڑے ہی مشکل پسند ہوتے ہیں اور اس بناپر وہ دشوار گزار کام کر لیتے ہیں۔اس سیارے کا تعلق ہندوستان سے ہے۔اسی لیے اقبال نے فلکِ زُحل پر ''روحِ ہندوستان'' کو دکھایا ہے۔ چوں کہ ''جاوید نامہ'' کی تخلیق فروری ۱۹۳۲ء میں ہوئی تھی۔اس وقت ہندوستان بڑے ابتلا کے دور سے گزر رہا تھا۔ اس کے علاوہ اقبال نے اس سیارے پر دو اشخاص میر جعفر اور میر صادق کا تذکرہ کیا ہے۔ میر جعفر[۵۵]اور میر صادق[۵۶]ہند کے ناہنجار سپوت تھے۔اقبال کہتا ہے:

جعفر از بنگال صادق از دکن
ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن
ناقبول و نااُمید و نامراد
ملتے از کارشاں اندر فساد[۵۷]
الاماں از روحِ جعفر الاماں
الاماں از جعفرانِ ایں زماں[۵۸]

(بنگال کا میر جعفر اور دکن کا میر صادق۔ یہ دونوں انسانیت، دین اور وطن کے لیے باعثِ شرم ہیں۔ یہ دونوں ناقبول و نااُمید و نامراد ہیں۔ان کی غداری سے ملت فساد کی نظر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ جعفر کی روح سے پناہ میں رکھے۔آج کے دور کے جعفروں سے خدا کی پناہ۔)

اس لیے اقبال نے کہا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد بھی ان کی روحیں چولا بدل بدل کر ہندوستان کو تباہ کر رہی ہیں۔اقبال نے ان دونوں کو اس منحوس سیارے کے خونیں دریا میں تھپیڑے کھاتے ہوئے بتایا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

نے عدم ما را پذیرد نے وجود
وائے از بے مہریٔ بود و نبود
تا گذشتیم از جہانِ شرق و غرب
بر درِ دوزخ شدیم از درد و کرب
یک شرر بر صادق و جعفر نزد
برسرِ ما مشتِ خاکستر نزد

گفت دوزخ را خش و خاک بہ!
شعلہ من زیں دو کافر پاک بہ![۵۹]

(ہم نے غداروں کا نہ تو عدم قبول کرنا ہے اور نہ وجود کو، وجود اور عدم کی بے مہری پر افسوس ہے۔ جب ہم مشرق و مغرب کی دنیا سے گزر گئے (مر گئے) اور بڑے دکھ درد کے ساتھ دوزخ کے دروازے پر پہنچے۔ اس نے بھی جعفر اور صادق پر ایک چنگاری تک نہ پھینکی اور ہمارے سر پر خاک کی مٹھی ڈالنا بھی پسند نہ کیا۔ دوزخ نے کہا کہ تم سے خش و خاک بہتر ہیں۔ میں ان دو کافروں سے اپنی چنگاری پاک رکھنا چاہتی ہوں۔)

اقبال ان چھ ستاروں کے بعد آں سوئے افلاک یعنی جنت تک کا سفر مولانا رومیؒ کے ساتھ کرتے ہیں اور پھر تنہا بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہوتے ہیں۔ ستاروں کو افلاک کا نام شاید اس لیے دیا ہے کہ رسول کریمؐ کی معراج میں افلاک کا ذکر ہے۔[۶۰]

آخر میں اقبال فلک الافلاک کی طرف محوِ پرواز ہوتے ہیں۔ آں سوئے افلاک پر اقبال اعلا اور پسندیدہ شخصیات سے ملاقات کرتے ہیں جن میں مسلمان ہیرو نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی سے ملتے ہیں۔ ان کے مرشد احمد ابدال چشتی نے انھیں ''ابدال'' کا لقب دیا۔ اس نے ۱۷۴۷ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اس کے بعد اسی سال نادر شاہ کے قتل کے بعد افغانستان کا بادشاہ بنا۔ اس نے مسلمانوں کی مدد کرنے کے لیے سکھوں کے خلاف پے در پے ۱۷۶۷ء سے ۱۷۷۰ء تک سات حملے کیے مگر مسلمانوں کی قسمت کا ستارہ ڈوب چکا تھا۔ ابدالی اس فتنہ کا قلع قمع نہ کر سکا اور ۱۷۷۲ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ اقبال ان کی مسلمانوں سے عقیدت اور بہادری سے متاثر تھے اس لیے آں سوئے فلک ان کی روح سے ملے اور انھیں خراجِ تحسین پیش کیا۔

یہاں اقبال ٹیپو سلطان کی روح سے بھی ملے۔ سلطان فتح خاں ٹیپو سلطان (۱۷۵۱ء۔ ۱۷۹۹ء) ابھی سولہ سال کا تھا کہ باپ نے مرہٹوں کے خلاف سپہ سالار بنا کر روانہ کیا۔ جس نے اپنی بہادری اور شجاعت سے کرنل بیلی، کرنل بریتھ وٹ اور جنرل میڈوز جیسے سپہ سالاروں سے ہتھیار رکھوا لیے۔ ۱۷۹۹ء میں میر صادق کی غداری سے نہ صرف ٹیپو بل کہ ریاست کا چراغ بھی گل ہو گیا۔ اقبال اپنے جوانوں میں ٹیپو جیسی خصوصیات دیکھنا

چاہتے ہیں۔اس لیے وہ آں سوئے فلک ان کی روح سے ملے اور وہ راز افشا کرائے جو مسلمانوں کو شیر کی طرح جینا سکھا سکتے ہیں۔

اس سیارے پر اقبال کی ملاقات مجدد الف ثانیؒ کی روح سے بھی ہوتی ہے۔ شیخ احمد سرہندی (۹۷۱ھ۔۱۰۳۴ھ) نے وحدۃ الوجود کی بجائے وحدۃ الشہود کا پرچار کیا۔آپ حضرت باقی باللہ کے مرید تھے۔ اقبال ان سے بہت متاثر تھے اور ۱۹۳۵ء میں ان کے مزار پر حاضری بھی دی۔

اس سیارے پر اقبال کی ملاقات ناصر خسرو(۳۹۴ھ۔۱۰۰۴ء۔۴۸۰ھ۔۱۰۸۷ء) کی روح سے ہوئی جو علومِ عقلیہ میں مہارتِ تامہ رکھتا تھا۔جب مصر میں فاطمی حکمران تھے جو اسماعیلی مذہب کے پیروکار تھے۔ انھوں نے ناصر کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ۴۳۹ھ میں خراسان اور بدخشاں کا والی مقرر کیا۔

یہاں اقبال شعرا میں امیر کبیر سید علی ہمدانی کی روح سے بھی ملے۔شاہ صاحب علوم ظاہری و باطنی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔انھوں نے بہت سی کتابیں بھی تخلیق کی تھیں۔اقبال نے شاہ ہمدان کے توسط سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ خدا نے ایک طرف ہم سے اطاعت کا مطالبہ کیا ہے اور دوسری طرف شیطان کو بھی پیدا کر دیا ہے۔یہ کتنی ناقابل فہم بات ہے کہ اس نے برائی کو توانا دل کش بنا دیا اور ہمیں یہ حکم دیا کہ نیکی کرو۔اس کا جواب یہ ہے کہ خدا نے ابلیس کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ انسان اس کا مقابلہ کر کے اپنی خودی کو مستحکم کرے۔اقبال نے شاہ ہمدان کی زبانی مرگ و زیست اور جسم و روح کا فلسفہ بھی بیان کیا ہے کہ جسم فانی اور روح لافانی ہے اس لیے روح کے ارتقا کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔[۲۱]

ملا طاہر غنی کاشمیری(۱۴ھ۔۱۳۱۴ء۔۱۸۶ھ) اقبال کے ہم وطن تھے۔اس لیے اقبال نے کشمیر زادگان جواہر لال نہرو(ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم)اور ان کے والد موتی لعل نہرو کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔دونوں باپ بیٹے نے مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا مگر سامراج کے خلاف مورچہ زن رہے جس سے مسلمانوں کو فائدہ ہوا۔غنی کہتا ہے کہ آزادی حاصل کرنے کا ولولہ ہندوؤں کے دل میں بھی پایا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ یہاں اقبال ہندو شاعر بھرتری ہری سے بھی ملتے ہیں۔بھرتری ہری راجہ گھیرو سین کا بیٹا تھا۔بھرتری ہری عقل مند، ذہین کے علاوہ علوم و فنون اور سپہ گری میں بھی مہارت رکھتا تھا۔وہ شاعری،

موسیقی اور مصوری کا بھی دلدادہ تھا۔ دہار اور اجین کی ریاست کا راجہ تھا۔ اس نے سارا اقتدار اپنے سوتیلے بھائی وکرم کو سونپ کر خود عورتوں کے سنگیت میں رہنے لگا اور عیش و عشرت کے ساتھ ساتھ راگ و شراب میں مست ہو گیا مگر سوال پیدا ہوتا ہے اقبال کو ان کی زندگی میں کیا کشش نظر آئی جو اقبال ان کی دوسری زندگی سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ اقبال ان کے مثبت کردار سے متاثر تھے۔ جب ایک واقعے نے ان کی کایا پلٹ دی۔ انھیں ایک رانی سے پیار ہو گیا مگر اس رانی نے بے وفائی کی اور پھر خود ہی شرمندگی سے ہیرے کی کنی انگوٹھی سے نکال کر کھالی اور اپنے گناہ کا ازالہ کر دیا۔ بھرتری ہری نے اس کے بعد ایک اور حسینہ سے دل لگایا۔ اسے آزمانے کے لیے بھرتری ہری نے اپنے مرنے کا سوانگ کیا کہ شکار کے دوران انھیں ایک شیر نے کھا لیا ہے۔ اس پر اس عورت نے اس کے خون آلودہ کپڑے آغوش میں رکھ کر جان دے دی۔ وفاداری کے اس عمل نے بھرتری ہری کی کایا پلٹ دی لیکن اقبال کے لیے متاثر کن ان کے فلسفہ تمدن کے وہ حقائق ہیں جو ارباب حکومت اور اور عوام دونوں کے لیے مفید ہیں۔ اس کے علاوہ بھرتری ہری شاعر اور فلسفی بھی تھا۔[۶۲]

اس کے بعد اقبال کی ملاقات خاص طور پر المانوی شاعر حکیم نٹشے (۱۸۴۴ء۔ ۱۸۸۹ء) سے ہوتی ہے۔ اقبال نے انھیں ''مجذوبِ فرنگی'' کہا ہے۔ اقبال کے فوق البشر اور نٹشے کے سپرمین میں بے حد مماثلت پائی جاتی ہے۔ بالِ جبریل میں اقبال نے لکھا ہے:

اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے؟[۶۳]

اس لیے کہ نٹشے نے مسیحی مذہب پر اس قدر تنقید کی ہے کہ بقول اقبال اس کا خاتمہ کر دیا۔ اقبال یہاں پہنچ کر ایک خاص مقام قصرِ شرف النّسا میں جاتے ہیں۔ شرف النّسا مغلیہ دور کے پنجاب کے حاکم نواب عبدالصمد خان کی بیٹی اور نواب زکریا خان کی بہن تھی۔ فرخ سیر نے انھیں ایک باغی بندہ بیراگی کی سرکوبی کے لیے ۱۷۱۳ء میں پنجاب بھیجا تھا۔ اس مہم کی کامیابی پر انھیں پنجاب کا حاکم مقرر کیا گیا۔ شرف النّسا کو قرآن اور تلوار سے محبت تھی۔ وہ تلوار اپنی کمر سے باندھ کر رکھتی تھی۔ حال آں کہ عورت پر جہاد فرض نہیں لیکن اس کا یہ پیغام تھا کہ ''ایں دو قوت حافظ یک دیگر اند'' (تلوار اور قرآن ایک دوسرے کے محافظ ہیں) وہ عمر بھر مجرد (بغیر شادی) رہی۔ اسے عمر بھر نماز، روزہ و تلاوتِ قرآن کا شوق رہا۔ بوقتِ وفات اس نے اپنی ماں سے التجا کی

تھی کہ میری قبر چبوترے پر بنائی جائے تاکہ بعد از مرگ میری قبر پر بھی کسی غیر مرد کا سایہ تک نہ پڑے۔ میرا قرآن اور میری تلوار دونوں میری قبر میں رکھ دی جائیں۔ مطلب یہ کہ یہ دونوں چیزیں مرنے کے بعد بھی مجھ سے جدا نہ ہوں۔[۶۴] اقبال نے انھیں قرآن، نماز، خلوت اور شمشیر سے محبت کی بدولت سراہا ہے۔ اقبال نے اس کا تذکرہ یوں کیا ہے:

گفت ایں کاشانۂ شرف النّسا است
مرغ بامش با ملائک ہم نوا است
قلزم ما ایں چنیں گوہر نزاد
ہیچ مادر ایں چنیں دختر نزاد[۶۵]

(میں نے رومی سے پوچھا یہ کاشانہ کس کا ہے۔ جس کے چھت کا پرندہ فرشتوں سے ہم کلام ہے۔ ہمارے سمندر نے اس قسم کا موتی پیدا نہیں کیا۔ نہ کسی ماں نے ایسی بیٹی کو جنم دیا ہے۔)

جب سے مسلمانوں نے قرآن اور تلوار سے قطع تعلق کر لیا اور ''یک دست جام بادہ، و یک دست زلفِ یار'' کی تصویر بن گئے تو گردشِ فلک نے ان کی بساط لپیٹ کر رکھ دی۔ اس کے ذریعے اقبال یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ نوجوان اپنی عظمتِ رفتہ کو پہچانیں۔

اس کے بعد اقبال دوزخ یا اعراف کی طرف نہیں گئے بل کہ وہ مناظر فلکِ زحل میں ہی دکھا دیے۔ اس سیر کا اختتام یوں ہوتا ہے:

''زندہ رود رخصت می شود از فردوس بریں و تقاضائے حورانِ بہشتی''

از تنک جامۂ تو میکدہ رسوا گر دید
شیشۂ گیر و حکیمانہ بیا شام و برو![۶۶]

(تیری تنک جامی (کم ظرفی) کے باعث میکدہ رسوا ہو گیا ہے تو پیالہ اٹھا، ہوش مندوں کی طرح پی اور رخصت ہو جا۔)

اقبال نے انسانی ارتقا کی اس معراج کو سیرِ فلک کا عنوان دیا ہے جس کا مکمل اظہار ''جاوید نامہ'' میں کیا ہے۔ ''سیرِ فلک'' ابتدا ہے جب کہ ''جاوید نامہ'' اس کی انتہا ہے۔ جاوید نامہ دراصل اقبال کا ''معراج

نامہ'' ہے۔اقبال نے اس کتاب کے ذریعے دنیاوالوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ اگر امن وامان اور راحت واطمینان کی آرزو ہے تو عقل کی بجائے عشق کی پیروی کرو کیوں کہ یہ وہ تریاق ہے جو ہر قسم کے زہر کا ازالہ کر سکتا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

> ''جاوید نامہ بلاشبہ فارسی ادبیات میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے اور ادبیاتِ عالم میں اگر اس کی نظیر مل سکتی ہے تو وہ دانتے کی ''طربیۂ ایزدی'' ہے جو آج سے چھ سو سال پہلے لکھی گئی۔''[۶۷]

یہ موضوع اقبال کی جذباتی کیفیت اور آفاقی حقیقت کا آئینہ دار ہے جب وہ عالم بالا میں جنت اور جہنم کے روح پرور اور دل اندوز مناظر کو عالم امکانات میں لاتے ہیں۔ غرض یہ موضوع اقبال کی ذہنی و فکری بلند خیالی کا مظہر ہے اور فلسفیانہ اندازِ فکر کا حامل ہے۔

## حواشی

۱۔ ڈاکٹر شفیق احمد، شرح بانگ درا (لاہور: معراج پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۹ء)، ص ۲۴۲۔

۲۔ سر سید احمد خاں، تفسیر القرآن، جلد اول (لاہور: دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار، ۱۹۹۵ء)، ص ۱۰۷۔

۳۔ پروفیسر محمد عمر، سر سید احمد خاں کا نیا مذہبی طرزِ فکر (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۵ء)، ص ۶۷۔

۴۔ علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجمہ: سید نذیر نیازی (لاہور: بزم اقبال کلب روڈ، ۱۹۵۶ء)، ص ۱۸۳۔

۵۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: مکتبہ دانیال، ۲۰۰۴ء)، ص ۱۴۷۔

۶۔ علی عباس جلال پوری، اقبال کا علمِ کلام (لاہور: تخلیقات، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۶۸۔

۷۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۶۶۶۔

۸۔ مولانا غلام رسول مہر، مطالبِ کلامِ اقبال اُردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۷ء)، ص۲۹۲۔

۹۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، کلیاتِ اقبال اردو، ص۱۹۔

۱۰۔ ایضاً، ص۱۴۷۔

۱۱۔ ایضاً، ص۱۴۶۔

۱۲۔ ایضاً، ص۵۰۴۔

۱۳۔ ڈاکٹر شفیق احمد، شرح بانگِ درا (لاہور: معراج پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۹ء)، ص۲۴۲۔

۱۴۔ پروفیسر عبدالعلیم صدیقی، سیرِ افلاک (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۰ء)، ص۱۱۔

۱۵۔ عبدالسلام ندوی، اقبالِ کامل (اعظم گڑھ: ۱۹۸۵ء)، ص۱۰۲۔

۱۶۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، کلیاتِ اقبال اردو، ص۱۴۶۔

۱۷۔ پروفیسر عبدالعلیم صدیقی، سیرِ افلاک، ص۱۳۔

۱۸۔ دانتے کا باپ الیگاٹر وڈی ایک منشی اور غریب آدمی تھا۔ دانتے کی ماں مونا بیلا اس کی پیدائش کے بعد فوت ہو گئی۔ دانتے ۱۲۶۵ء میں اطالیہ کے مشہور شہر فلورنس میں پیدا ہوا اور ۱۳ ستمبر ۱۳۲۱ء کو فوت ہوا۔ (دانتے، جہنم، ص۲۴۔)

۱۹۔ یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ (لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۶ء)، ص۲۵: ۲۴۔

۲۰۔ ایضاً، ص۸۳۔

۲۱۔ ایضاً، ص۶۸۔

۲۲۔ ایضاً، ص۴۷۔

۲۳۔ دانتے، جہنم، (لاہور: بُک ہوم مزنگ روڈ، ۲۰۰۴ء)، ص۲۳۔

۲۴۔ ایضاً۔

۲۵۔ وشوامتر کھشتری تھا جو برہمنوں کے بعد دوسری بڑی ذات ہے۔اس کا دارالحکومت قنوج تھا۔ وہ علم دوست اور محب وطن تھا۔اس نے بڑے بڑے پنڈتوں سے تعلیم حاصل کی تھی جن میں مشہور برہمن ویشی شٹ بھی شامل ہے۔اس نے اپنی تپسیا(ریاضت) کی بدولت برہمن، راج رشی اور برہم رشی کا مقام حاصل کر لیا تھا۔ وہرامائن کے مطابق رام چندر کا استاد تھا۔اس کے اس مقام کی وجہ سے دیوتاؤں کے سردار راجہ اندر کو یہ خوف ہوا کہ کبھی ان کا مقام دیوتاؤں سے نہ بڑھ جائے۔ لہٰذا اس کے مقام کو ختم کرنے کے لیے عالمِ بالا سے دو حسین دیویوں مینکا دیوی اور رمبھا دیوی کو بھیجا۔ وشوامتر مینکا کی دلکشی اور زلف کا اسیر ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس کا سارا زہد و تقویٰ خاک میں مل گیا۔ جس کے نو ماہ کے نتیجے میں ''شکنتلا'' نے جنم لیا۔ رگ وید میں وشوامتر اور ویشی شٹ میں مناقشہ بھی ہوا جس کی وجہ راجہ سوداس نے دونوں کو ''راج گرو'' تعینات کرنا تھا۔ (یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ، ص۳۸۰۔)

۲۶۔ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۷ء)، ص۶۹۹۔

۲۷۔ مہادیو شنکر، رُدرا اوتار تھا۔ مہادیو شنکر کے بت کی نشانی اس کے ماتھے پر تیسری آنکھ ہے۔اس کے سر پر ہلال اور ہاتھ میں ترشول ہے۔اس کی گردن میں سانپ لپٹا ہے اور بائیں ہاتھ، اپنی جورو ہم منت کو اپنے پہلو اور سینے سے چمٹائے ہوئے ہے۔(البیرونی، کتاب الہند، ص۱۴۴۔)

۲۸۔ پرجابتی ڈیکسا ستی کا باپ اور برہما کا بیٹا تھا۔ وہ پراستی کا شوہر تھا۔ البیرونی کے مطابق چاند کی منزلیں پرجابت کی بیٹیاں ہیں جن سے چاند نے شادی کر لی تھی۔ وہ اپنی چوتھی بیوی روہنی سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ جس کی شکایت دوسری بیویوں نے اپنے باپ سے کی۔ پرجاپتی نے چاند کو سمجھایا کہ وہ تمام بیویوں میں مساوات کرے مگر چاند نہ مانا۔ اس پر پرجابتی نے بد دعا کی اور چاند کا چہرہ داغ دار ہو گیا ہے۔(البیرونی، کتاب الہند، ص۲۷۰۔)

۲۹۔ البیرونی، کتاب الہند، (لاہور: الفیصل ناشران وکتب فروش، ۱۹۹۴ء)، ص۲۷۰۔

۳۰۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، کلیات اقبال فارسی، ص۷۱۲۔

۳۱۔ مہاتما گوتم بدھ، بدھ مذہب کا بانی تھا۔ عام روایات کے مطابق وہ ساتویں صدی قبل مسیح پیدا ہوا اور چھٹی صدی میں فوت ہوا۔ اس کا باپ سدھو دھن کپل نیپال کا راجہ تھا۔ گوتم بدھ کا اصل نام سدھارتھ تھا۔ تیس سال کی عمر میں تارک الدنیا ہو گیا۔ اس نے چھ سات سال سخت ریاضت کی اور وہ شب و روز مراقبہ اور دھیان میں مشغول رہا۔ وہ ایشور یا پرم آتما اور آتما یعنی نفسِ ناطقہ کا منکر تھا۔ اس کی تعلیمات کے آٹھ اُصول ہیں:

۱۔ صحیح عقیدے کی پابندی ۲۔ آنکھ کا اخلاص ۳۔ گفتار کا اخلاص ۴۔ علم کا اخلاص
۵۔ معاش کی پاکیزگی ۶۔ محنت کی پاکیزگی ۷۔ یاد کی پاکیزگی ۸۔ مراقبہ کی پاکیزگی

(پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، کلیات اقبال فارسی، ص۱۱۷۔)

۳۲۔ زرتشت، نویں صدی قبل مسیح ایران میں پیدا ہوا۔ حکیم فیثا غورث کا شاگرد اور منوچہر کی نسل سے تھا۔ نبوت کا دعوے دار تھا۔ اس کی کتاب ''ژند'' تھی، جسے آتش پرست آسمانی صحیفہ مانتے ہیں۔ اس کا اصل نام اسپتا تھا۔ شادی کے کچھ دن بعد تارک الدنیا ہو گیا۔ پندرہ سال تک صحراؤں میں مجاہدات کیے۔ اہرمن نے کئی طریقوں سے اس کی آزمائش کی۔ اس نے کامیابی کے بعد زرتشت (روشنی کا مالک) کا لقب اختیار کیا۔ قدیم ایرانی مصنفین کے نزدیک انھوں نے اکیس ضخیم کتابیں لکھیں جو سب زمانہ برد ہو گئیں، صرف دو تین کتابیں باقی ہیں۔ شروع شروع میں اہلِ ایران نے ان کی مخالفت کی، بعد ازاں سارا ایران زرتشتی ہو گیا۔

(پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیات اقبال فارسی، ص۱۱۳۔)

۳۳۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص۷۰۹۔

۳۴۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ، ص۴۹۹۔

۳۵۔ ایضاً، ص۴۸۴۔

۳۶۔ ایضاً، ص۴۷۴۔

۳۷۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیات اقبال فارسی، ص۱۱۵۔

۳۸۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی،شرح جاوید نامہ،ص۵۱۶:۵۱۸۔

۳۹۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی،شرح کلیات اقبال فارسی،ص۷۲۰۔

۴۰۔ سید جمال الدین افغانی اسد آباد میں ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اٹھارہ سال کی عمر میں تمام متداولہ علوم حاصل کر لیے۔ وہ ۱۸۵۶ء میں حج کے ارادہ سے ہندوستان آئے۔ یہاں ایک سال قیام کرنے کے بعد ۱۸۵۷ء میں حج کی سعادت حاصل کی۔ سید صاحب شروع سے ہی ملوکیت کے خلاف تھے۔ ملوکیت کی مخالفت کی وجہ سے ۱۸۶۹ء میں جلاوطن کر دیے گئے۔ وہ برصغیر آئے۔ یہاں سے بھی انگریزوں نے جلاوطن کر دیا تو وہ مصر چلے گئے۔ انھوں نے محمد عبدہ سے بھی فیض حاصل کیا۔ ۱۸۷۹ء میں وہ دوبارہ ہندوستان آئے تو انھیں حیدر آباد دکن میں نظر بند کر دیا گیا۔ بعد ازاں دوبارہ جلاوطن ہو کر فرانس چلے گئے۔ یورپ کو اسلام سے آشنا کرنے کے لیے ایک رسالہ ''عروۃ الوثقیٰ'' جاری کیا جو عربی اور فرنچ دونوں زبانوں میں تھا۔ انھیں سلطان عبدالحمید نے ۱۸۹۲ء میں قسطنطنیہ آنے کی دعوت دی مگر حق گوئی و بے باکی کی وجہ سے دو تین سال بعد ہی حالات کشیدہ ہو گئے۔ انھوں نے ۱۸۹۷ء میں ترکی میں وفات پائی۔ (یوسف سلیم چشتی،شرح جاوید نامہ،ص۵۳۵۔)

۴۱۔ سعید حلیم پاشا ۱۸۶۵ء میں قسطنطنیہ میں پیدا ہوئے۔ انھیں ۱۹۰۲ء میں ''پاشا'' کا لقب ملا۔ ۱۹۱۳ء میں انگریزوں کی مخالفت کے باوجود وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ انھوں نے جنگِ عظیم اول میں انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ ۱۹۱۹ء میں انگریزوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کے بعد انھیں مالٹا میں نظر بند کر دیا۔ ایک سال بعد رہا کر دیے گئے۔ ۱۹۲۱ء میں ایک ارمنی نے گولی مار کر انھیں شہید کر دیا۔ (یوسف سلیم چشتی،شرح جاوید نامہ،ص۵۳۸۔)

۴۲۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی،شرح کلیات اقبال فارسی،ص۷۲۴۔

۴۳۔ ڈاکٹر محمد اقبال،کلیات اقبال فارسی،ص۷۴۲۔

۴۴۔ ایضاً،ص۷۲۹۔

۴۵۔ لارڈ کچنر (۱۸۵۰ء۔ ۱۹۱۶ء) نے مہدی سوڈانی کی قبر کھود کر اس کی ہڈیوں کی بے حرمتی کی اور اقتدار کے ہوس میں اپنے دل کی بھڑاس نکالی مگر جب لارڈ کچنر نے پہلی جنگ عظیم میں جرمن فوج سے راہ فرار اختیار کی تو جرمن آبدوز نے اس کا پیچھا کیا اور اس کے جہاز کو نشانہ بنا کر غرق کر دیا۔ مہدی سوڈانی (۱۸۴۳ء۔ ۱۸۸۵ء) نے اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ جہاد کے ذریعے خرطوم پر قبضہ کیا اور تیرہ سال تک سوڈان پر حکومت کی۔ لارڈ کچنر نے ان کی قبر کھود کر اس کی لاش کی بے حرمتی کی۔ اس نے مہدی کی ہڈیوں کو سرِ بازار نذرِ آتش کیا۔ اسے ۱۸۹۸ء میں انگریزوں کی طرف سے ''لارڈ'' کا خطاب دیا گیا۔ انگلستان کے عالموں نے ''ڈاکٹر آف سول لا'' کی ڈگری دی۔ اس نے ۱۹۰۰ء میں جنوبی افریقہ کو پچاس ہزار پونڈ میں برطانیہ کو غلام بنایا۔ اس نے تیس ہزار پاؤنڈ سوڈانیوں کو برطانیہ کا غلام بنانے کے لیے انعام پایا۔ ۱۹۰۳ء میں انگریزوں نے اسے جنرل بنا کر ہندوستان کی فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ اسے ۱۹۱۴ء میں جنگی کونسل کا رکن بنایا گیا۔ ۵۔ جولائی ۱۹۱۶ء کو ہمپ شائر نامی جہاز کے ساتھ غرق ہو گیا۔ (حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیات اقبال، ص ۷۶۰۔)

۴۶۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیات اقبال فارسی، ص ۷۷۹۔

۴۷۔ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص ۷۷۸۔

۴۸۔ ایضاً، ص ۷۸۰۔

۴۹۔ ابوالمغیث حسین بن منصور حلاج ۸۵۸ء میں فارس میں پیدا ہوا۔ اس کا دادا مجوسی تھا۔ سولہ سال کی عمر میں اس کا میلان تصوف کی طرف ہو گیا۔ چناں چہ اس نے ۸۷۳ء سے ۸۹۷ء تک صوفیت کی تعلیم حاصل کی، جن میں جنید بغدادی قابلِ ذکر ہیں۔ حج سے واپس آکر وحدۃ الوجود کی تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ اپنے مشہور عقیدے کی بدولت واجب القتل ٹھہرے۔ آٹھ سال تک جیل میں رہے۔ مالکی قاضی ابو عمر نے ان کے قتل کا فتویٰ دیا تھا جس پر اس کے اعضا قطع کر کے نذرِ آتش کر دیے گئے۔ اس کی راکھ کو بکھیر دیا گیا تاکہ اس کی قبر نہ ہو۔ (یوسف سلیم چشتی، شرح، ص ۸۴۵۔)

۵۰۔ قرۃ العین طاہرہ کا اصل نام زریں تاج تھا۔ حاجی ملا محمد صالح کی بیٹی تھیں۔ اپنے چچازاد محمد ملا سے شادی ہوئی۔ جب علی محمد شیرازی نے بابی فرقے کا اعلان کیا تو اس میں شامل ہو گئیں۔ باب نے اس کے لیے ''قرۃ العین'' لقب اور ''طاہرہ'' تخلص تجویز کیا۔ اپنے باپ، بھائی، شوہر اور انتظامیہ کی مخالفت کے باوجود مذہب باب سے منحرف نہ ہوئیں۔ جس کی وجہ سے ان پر قتل کا فتویٰ لگا تو وہ روپوش ہو کر خراسان چلی گئیں۔ ۱۸۵۰ء میں باب کو شاہ ناصر الدین کے حکم پر قتل کر دیا گیا۔ ۱۸۵۲ء میں طاہرہ بھی گرفتار ہو گئیں۔ جب اس کو شاہ کے سامنے لایا گیا تو وہ اس کے حسن و جمال سے اس قدر متاثر ہوا کہ علما سے کہا کہ ''بگزارید کہ صورت زیبادارد'' وہ بضد تھا کہ اسے معاف کر دیا جائے مگر علما نے اس کے قتل پر اصرار کیا، البتہ یہ صورت نکالی کہ اگر وہ بابی مذہب سے تائب ہو جائے تو اس کی جان بخشی ہو سکتی ہے مگر وہ اپنے مذہب پر قائم رہی، جس پر اس کو قتل کر دیا گیا۔ (یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ، ص۸۴۶۔)

۵۱۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ، ص۸۴۸۔

۵۲۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیات اقبال فارسی، ص۷۸۳۔

۵۳۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ، ص۹۳۴۔

۵۴۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیات اقبال فارسی، ص۸۰۶۔

۵۵۔ میر جعفر، نواب سراج الدولہ، صوبہ دار بنگالہ کا سپہ سالار تھا۔ میر جعفر ذلت آمیز شرائط اور بزدلانہ کردار کی بدولت بنگالہ کا حکمران بنا۔ میر جعفر ۱۷۵۷ء سے ۱۷۶۰ء تک کمپنی کی بساطِ سیاست پر ایک مہرے کی حیثیت سے حکمران رہا مگر جب آقاؤں کی مرضی سے روگردانی کی تو انھوں نے اسے معزول کر کے میر قاسم کو نواب بنا دیا۔ جب میر قاسم نے سرکار کی نافرمانی کی تو اسے ہٹا کر ۱۷۶۴ء میں میر جعفر کو دوبارہ نواب بنا دیا۔ میر جعفر دوسری بار آٹھ ماہ حکمران رہ کر ۱۷۶۵ء میں فوت ہوا۔ (یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ، ص۹۴۹:۹۵۰۔)

۵۶۔ میر صادق جنوبی ہند کا عام باشندہ تھا۔ اپنی چرب زبانی اور مہارت و قابلیت کی وجہ سے پہلے حیدر علی اور بعد ازاں ان کی وفات ۱۷۸۴ء، کے سلطان فتح علی خاں المعروف ٹیپو سلطان کا منظورِ نظر ہو گیا۔ سلطان نے اسے پہلے اپنا سفیر اور بعد ازاں وزیر بنالیا۔ اس نے انگریزوں سے ساز باز کر کے ۱۷۹۹ء میں اپنے مربی کو شہید کرا دیا۔ اس بد قسمت کو اس کے عوض کوئی صلہ نہیں ملا بل کہ نامراد ہی مرا۔ (یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ، ص۹۵۱۔)

۵۷۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص۸۰۸۔

۵۸۔ ایضاً، ص۸۱۳۔

۵۹۔ ایضاً، ص۸۱۴۔

۶۰۔ پروفیسر عبدالعلیم صدیقی، سیرِ افلاک، ص۱۱۔

۶۱۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ، ص۱۰۳۷:۱۰۳۱۔

۶۲۔ ایضاً، ص۱۰۵۲:۱۰۵۰۔

۶۳۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیات اقبال اردو، ص۲۹۳۔

۶۴۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ، ص۱۰۲۰۔

۶۵۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص۸۲۲۔

۶۶۔ ایضاً، ص۸۶۷۔

۶۷۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ، ص۱۲۔